eISSN:2073-3674
pISSN:1991-7813

CC BY
OPEN ACCESS

قیدِ فرنگ میں حسرت موہانی کی مکتوب نویسی

Hasrat Mohani's Letter Writing in British Prison

ڈاکٹر انیلا سلیم

اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ زبان وادبیات اردو، جامعہ پنجاب، لاہور

Dr. Aneela Saleem Email: aneela.urdu@pu.edu.pk
Assistant Prof, Institute of Urdu Language and Literature,
University of the Punjab, Lahore.

ڈاکٹر علی بیات

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ تہران، ایران

Dr. Ali Bayat Email: bayatali@ut.ac.ir
Associate Prof, Department of Urdu Language and Literature,
University of Tehran, Iran.

Received: 10-01-2022 **Accepted:** 23-03-2022 **Online:** 28-06-2022

ABSTRACT

Mevlana Hasrat Mohani was a great Urdu literary personality, His literary aspects are diverse. Apart from the high position he achieved in poetry, his prose writings also are important references to his identity. Mushahidaat.-E-Zindaan, Tazkiratu Shuara, Urdu.E.Mualla, Intekhaab-E-Dawaveen, Nikaat-E-Sukhan, a large number of literary essays, political speeches and literary journals are the best examples. His letters (written in prison) are a very important asset. From these letters one can come to know about Hasrat's personality, Habits and era are known as well as his personal and political life, Prison life and conditions and the state of Swadeshi business also becomes clear. In the paper under study, efforts are made to bring into light various aspects of Hasrat's personal and literary life.

KEYWORDS: Hasrat Mohani, Qiad E Farang, Abdulbari Farangi Mahalli, Swadeshi Store, Mushahidaat.E.Zindaan, Nehru, Ali Garh, Partab Garh, Naini

کلیدی الفاظ : قید فرنگ، عبدالباری فرنگی محلی، سودیشی سٹور، مشاہداتِ زنداں ، نہرو،علی گڑھ، پڑتاب گڑھ، نینی

مولانا حسرت موہانی ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ شاعر (نعت گو، مناجات گو، منقبت نگار) تذکرہ نگار، اصلاح کنندہ، انقلابی سیاسی رہ نما، مدبر اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی جامع الصفات شخصیت میں مذہبیت نے دل گدازی اور شرافت کا جو ایک مخصوص رنگ پیدا کر دیا تھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ ایک عظیم صحافی تھے کہ آج تک ان کی اداریہ نویسی کی مثال مفقود ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر عزیز انصاری نے حسرت موہانی کی شخصیت کے بارے میں لکھا ہے:

"مولانا حسرت مولانی ایک نابغہ روزگار شخص تھے۔ ان کی زندگی ہمہ جہت تھی۔ وہ بہ یک وقت شاعر بھی تھے اور صحافی بھی، تنقید نگار بھی تھے اور ایک سرفروش، بے باک اور نڈر مجاہد بھی۔ ان کی زندگی کے جس رخ کا بھی ذکر کیا جائے کامل اور عظیم تھا۔[1]

حسرت کی ہنگامہ خیز سیاسی زندگی کو دیکھا جائے اور پھر کلام پر نظر کی جائے تو ایک تضاد کی کیفیت سے سامنا ہوتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان کی سیاسی زندگی، بے باکی، مار دھاڑ اور سخت روی سے بھرپور ہے شاعری میں اس کے برعکس کیفیات ملتی ہیں۔ لطافت ہے، نرمی، گھلاوٹ اور شیرینی پائی جاتی ہے اور یہی قلم جب عشق و عاشقی کی رنگینیاں بیان کرتے کرتے سیاست و حریت کے ترانے لکھتا ہے تو اپنے ہم وطنوں کے لیے تڑپ کا جو جذبہ سامنے آتا ہے وہ دیدنی ہے۔ یہ شاعر نازک طبع سیاست کے ہاتھوں ایسی سخت کوشی کی مثال بن جاتا ہے کہ جیل میں روزانہ ایک من گندم پیستا ہے۔ مذہبی لگن کا یہ حال تھا کہ جیل کی مشقت اور ایک لنگوٹ میں بھی صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتے رہے۔ کل گیارہ حج کیے۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے حسرت کی زندگی کو اقبال کے اس شعر کی تفسیر بتایا ہے:

در عشق غنچہ ایم کہ لرزد زباد صبح

در کار زندگی صفت سنگِ خارہ ایم [2]

حسرت موہانی کی ہمہ جہت شخصیت اور غیر معمولی کدو کاوش ان کی تصانیف میں جھلکتی ہے۔ حسرت کی قید ان کی زندگی کا اہم واقعہ ہے وہ تین بار قید فرنگ میں رہے۔ دراصل حسرت نے اپنی پہلی قید (۱۹۰۸ء۔ ۱۹۰۹ء) سے رہائی کے بعد اردوئے معلیٰ میں مشاہدات زنداں کے زیر عنوان ایک قسط وار مضمون لکھا۔ یوں اس پہلی قید کی تاریخی اہمیت مزید بڑھ گئی۔ اور واضح ہو سکا کہ اس وقت مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کا سلوک روا رکھا جا رہا تھا۔ یہ قید ۳ جون ۱۹۰۸ء کو شروع ہوئی اور ۳ جولائی ۱۹۰۹ء کو ختم ہوئی۔ جیل کی آپ بیتی تو مشاہدات زنداں کی تفصیلات کا حصہ ہے

لیکن اس دورِ اسیری کا سب سے بڑا واقعہ مولانا کے والد محترم کی رحلت کا ہے کہ انھیں اس خبر سے مطلع نہ کیا گیا۔ والد کی وفات اسی صدمے سے ہوئی کہ جب جیل کے حکام حسرت موہانی کو علی گڑھ سے نینی جیل لے کر جا رہے تھے تو حسرت کے والد کو بھی خبر ہوئی اور جب انھوں نے اپنے بیٹے کو الہ آباد اسٹیشن پر صرف ایک لنگوٹ پہنے اور ہتھکڑی اور بیڑی میں جکڑے پایا تو اسی صدمے سے بیمار ہو کر انتقال فرما گئے۔

مشاہداتِ زنداں کی قسط وار اشاعت بڑی زود آور ثابت ہوئی اور پورے ملک میں اس کے اثرات نظر آنے لگے۔ یو پی کی حکومت نے جیلوں کی اصلاحات کی طرف توجہ کی، جیل ریفارمز کمیشن بنا کر جیلوں کا دورہ کر کے رپورٹ مرتب کی گئی، رپورٹ کی اشاعت کے بعد پیش کردہ سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش ہوئی جس کے اثرات یہ ہوئے کہ جب مولانا ابو الکلام آزاد، جواہر لعل نہرو اور مولانا اسمٰعیل ذبیح نینی جیل میں قید کیے گئے تو وہاں کے حالات حسرت کی قید کے حالات سے یکسر مختلف تھے۔

علامہ نیاز فتح پوری نے نگار کے حسرت نمبر کی اشاعت کے بعد مشاہدات زنداں کو نگار کے ۱۹۵۱ء، ۵۲ کے ایک شمارے میں شایع کیا۔ پھر یہی مضمون نگار پاکستان میں بھی شایع ہوا۔ ۱۹۰۹ء میں مولانا حسرت موہانی میموریل سوسائٹی، کراچی، پاکستان نے اسے کتابی شکل میں شایع کیا۔ ہندوستان کے ایک عظیم رہ نمائے آزادی لالہ لاجپت رائے نے مشاہدات زنداں کا انگریزی ترجمہ کیا اور دسمبر ۱۹۰۹ء سے جنوری ۱۹۱۱ء تک بالاقساط شایع کرایا۔

ادب میں خطوط کی اہمیت مسلمہ ہے اور اس ضمن میں اس کی تاریخ کے باب میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ان تمام تحریروں کو پس منظر خیال کرتے ہوئے اگر صرف ایسے خطوط کی بات کی جائے کہ جو بہ قیدِ زنداں تحریر کیے گئے اور خصوصاً ادیب، شعرا اور نثر نگاروں کے خطوط تھے تو ایک وسیع سرمایہ اس دائرے میں آتا ہے۔ زندانی ادب کی روایت تو پہلے زندانی کے جذبات و احساسات احاطہ تحریر میں آتے ہی ہو گئی تھی۔ جب زندانی ادب کو الگ سے حیثیت دی جانے لگی تو اس کا مطلب ہے کہ اس ادب کے تقاضے، اس کے اظہارات اور معنوی سوتے کچھ الگ رہے۔ زندان میں رہتے ہوئے مشاہدات، روزنامچے، شاعری، آپ بیتیاں اور افسانوی ادب تخلیق کیا گیا۔ لیکن خطوط کی اہمیت سب سے زیادہ ہے کہ ان کی اشاعت کا خیال اکثر کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ نجی اور ذاتی احساسات کے ترجمان ان خطوط نے ادیبوں کی شخصیات کی کیا کیا گرہیں کھولی ہیں۔ ادیب

معاشرے اور اس کے ضوابط کو یکسر مختلف نظر سے دیکھتا ہے مختلف انداز سے برتتا ہے۔ استحصالی قوتوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ بے باک اقدامات کے نتیجے میں قید کر بھی دیا جائے تو اس کا جذبہ مزاحمتی رنگ اختیار کر لیتا ہے لیکن اپنا اظہار کرتا رہتا ہے۔

مولانا حسرت موہانی کے مکاتیب بہ راہ راست ان کی سیاسی زندگی کے عکاس ہیں۔ حسرت نے خطوط لکھے ہی قید کے زمانے میں ہیں۔ اس لیے انھیں زندانی خطوط کہا جا سکتا ہے۔ وہ پہلی بار ۱۹۰۸ء سے ۱۹۰۹ء، دوسری بار ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۸ء، تیسری اور آخری بار ۱۹۲۲ء میں گرفتار ہوئے۔ ان کی فعال سیاسی زندگی میں یہ قید ان کی ادبی فعالیت کو مجروح نہ کر سکی بلکہ حسن کچھ اور نکھار گئی۔ یوں کہنا چاہیے کہ فرنگی قید میں رہ کر مولانا نے مسلمانوں کو جو نمائندگی کی جو ادب تخلیق کیا جو طرز زندگی اختیار کیا۔ وہ انہی کا خاصہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ قید اور خصوصا قید تنہائی میں ادیب لوگوں نے ایسے ایسے ادب پارے تخلیق کیے ہیں جو ان کی پہچان بن گئے۔

زندان میں لکھے گئے خطوط کی کچھ مشترک خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ خطوط ذہنی اذیت، ناامیدی اور یاسیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ ناامیدی اور یاسیت زیادہ تر خانگی معاملات میں پریشانی کی وجہ سے نظر آتی ہے۔ سیاسی یا سماجی مقاصد کے ضمن میں عموماً ناامیدی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ مجموعی طور پر زندانی خطوط میں خیالات کی تکرار ملتی ہے۔ ادیب ذاتی شخصیت کے اسرار و رموز کا بلا رکاوٹ اظہار کرتا ہے۔ مزاحمتی لہجہ ان خطوط کی ایک مشترک خوبی ہے۔ خاص طور پر سیاسی راہ نما ادیب ایسے خط لکھ پاتے کہ جن میں حکومتِ وقت کے خلاف اور مخالف سیاسی نظریات کے خلاف مزاحمتی رنگ اور انداز خوب پایا جاتا ہے۔

اردو ادب میں زندانی خطوط کے ضمن میں ہمیں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، ابو الکلام آزاد، ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، میاں طفیل محمد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا محمود حسن دیوبندی، اشفاق اللہ خان، مولانا ظفر علی خان، شورش کاشمیری، سجاد ظہیر اور فیض احمد فیض کے خطوط ملتے ہیں۔

حسرت کے خطوط مکتوب نویسی میں کسی نئے انداز کو متعارف نہیں کراتے لیکن ان کے موضوعات اور دیگر خصائص ان کی خانگی و سیاسی زندگی کو واضح ضرور کرتے ہیں جس سے ان کے نظریے کی صداقت پر روشنی پڑتی ہے۔

مولانا حسرت موہانی کے خطوط کی جمع آوری بہت ضروری ہے۔ وہ آزادی کی تحریک کے جیالے تھے اتنی بھرپور سیاسی، شعری و ادبی زندگی گزاری دیگر مشاہیر کی طرح ان کے خطوط کی موجودگی بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے ان کے بہت سے خطوط دیگر مزید خطوط کی موجودگی کا پتا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک خط کے مضمون سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ فیض آباد اور للت پور جیل سے بہ ضرورت بہت سے افراد کو خط لکھتے رہے۔ ان کی قید کے حالات ،سیاست اور دیگر ذاتی و خانگی مسائل و معاملات کے حوالے سے ان خطوط سے بہت سی معلومات مل سکتی ہیں۔ مگر افسوس اب تک یہ خط دستیاب نہیں۔

جب للت پور جیل میں قید رہتے ہوئے حسرت نے لیفٹیننٹ گورنر کو تار بھیجا کہ انھیں ملاقات کی اجازت دی جائے۔ جواب یہ آیا کہ نہیں مل سکتے ہاں البتہ کوئی تحریر فراہم کی جائے تو اس درخواست پر غور کیا جاسکتا ہے۔ حسرت نے ارادہ کیا کہ مکمل حال ان کو لکھا جائے تاکہ فیصلے میں کچھ لحاظ رکھا جائے۔ مگر اس تحریر سے قبل انھوں نے کسی بیرسٹر سے مشورہ کرنے کو ضروری خیال کیا اور تین بیرسٹروں کو تار بھیجے۔ بیگم حسرت کے نام ایک خط میں یوں ذکر کیا ہے:

"آج تین تار میں نے جوابی مفصلہ ذیل لوگوں کے نام بھیجے ہیں کہ مجھ سے آکر مل جاؤ۔ میں اخراجات ادا کروں گا۔ خواجہ عبدالحمید بیرسٹر علی گڑھ۔ (۲) ڈاکٹر ناظر الدین حسین بیرسٹر لکھنو،(۳) ظہور احمد بیرسٹر الہ آباد۔[3]

تین بیرسٹروں کو تار بھیجنے کا ذکر ۱۰ مئی کے خط میں ہے اور ۱۲ مئی ۱۹۱۶ء کو بیگم حسرت ہی کے نام ایک خط میں جوابی تار کا ذکر کیا ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ انھیں جیل میں رہ کے اپنی رہائی کے لیے کتنی مشکلات کا سامنا تھا، لکھتے ہیں۔

"ڈاکٹر ناظر الدین نے تار کے جواب میں لکھا ہے کہ اگر فیس و خرچ پیشگی دو تو آؤں۔ یہ بھی اچھا ہے۔ میں ان کا تار اگر للت پور مقدمہ ہوا تو پیش کروں گا کہ یہاں مجھ کو قانونی مدد نہیں مل سکتی۔ اس لیے مقدمہ علی گڑھ کو منتقل کیا جائے۔۔۔ بیرسٹر ظہور احمد صاحب الہ آباد میں نہیں۔ اس لیے ان کے بھائی اڈیٹر مساوات نے تار کا جواب دیا ہے کہ جب وہ آئیں گے تب بھیجوں گا۔ خواجہ مجید کا کوئی جواب نہیں آیا"۔[4]

ان خطوط سے ایک اہم بات پتا چلتی ہے کہ ان تینوں بیرسٹروں میں سے کوئی بھی مقدمے کی پیروری کو نہ پہنچا اور ان کے نا پہنچنے کو بھی حسرت نے اپنے لیے اچھا ہی تصور کیا کہ

مقدمہ اس وقت ان کے لیے بہتر صورت حال میں تھا اور اگر یہ بیرسٹر آجاتے تو خواہ مخواہ کا احسان ہوتا۔ ان خیالات کا اظہار بیگم حسرت کے نام ۱۶ مئی ۱۹۱۶ء کے خط میں یوں ہے:

"اس وقت مقدمہ میرے موافق ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ برابر کامیابی ہو گی اچھا ہوا کہ کوئی نہ آیا، ورنہ مفت میں احسان ہوتا اور نتیجہ کچھ نہ ہوتا"[5]

اس ۱۶ مئی کے خط کے بعد ۱۳ جولائی کا خط دستیاب ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ حسرت جیسا بسیار نویس اور پھر یہ مسلسل چلتا ہوا مسئلہ جو خطوط میں پیش کیا جارہا ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ خطوط نویسی میں دو ماہ کا وقفہ آئے۔ جبکہ ۱۶ مئی کے خط میں بھی ڈاکٹر تیج بہادر اور ظہور احمد بیرسٹر کو خط لکھنے کا ذکر ہے۔

۱۶ جولائی ۱۹۱۶ء کے خط میں مزید خطوط کا ایک سراغ ہاتھ آتا ہے۔ جب وہ لکھتے ہیں کہ میں نے جھانسی سے ایک خط ۶ جولائی کو اور لکھا تھا۔ جس میں ایک غزل "نور تیرا" "سرور تیرا" تھی۔ مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تم کو نہیں ملا۔ اس میں بذریعہ تار روپوں کا بھی ذکر تھا۔ خیر اب وہ غزل اور غزلیں پھر بھی لکھ دوں گا"۔[6]

حسرت کے خطوط کا ذکر ان کی بیگم کے خطوط کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ بہت سے خطوط جو اب موجود و دستیاب نہیں ان کا مضمون بیگم حسرت کے خطوط سے مترشح ہوتا ہے۔ مثلاً عبدالباری فرنگی محلی کے نام احمد سلیم کی کتاب "حسرت کی سیاست" میں صرف تین جبکہ نقوش کے خطوط نمبر میں ہیں۔ لیکن حسرت کے متعدد پیغامات پر مبنی بیگم حسرت کے بہت سے خطوط عبدالباری فرنگی محلی کے نام ہیں۔

نشاط النساء بیگم حسرت موہانی افکار و کردار میں بیگم حسرت کی شخصیت کے بہت سے پہلو زیر بحث آئے لیکن ان کے خطوط شامل نہیں جبکہ احمد سلیم کی تصنیف میں ان کے تیس (۳۰) خطوط شامل ہیں۔ جن کا ماخذ نقوش کا خطوط نمبر ہے۔ لیکن احمد سلیم صاحب کی اس تصنیف میں بیگم حسرت کے خطوط بھی حسرت کے مکاتیب کی طرح بد ذوقی کی نظر ہوئے اور متن میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ کہیں بھی ان خطوط کے ماخذ کا حوالہ نہیں ہے۔ متن کی قرات میں غلطیاں ہیں اور مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

بیگم حسرت کے نام خطوط میں حسرت کا قید کے زمانے کا کلام بھی محفوظ ہے کہ جو وہ انھیں لکھ بھیجتے تھے اور بیگم حسرت وہ کلام عبدالباری فرنگی محلی کے ملاحظے کے لیے ارسال کرتیں

اور شایع بھی کراتیں۔ ان سے حسرت موہانی کی والہانہ محبت اور دلی قرب مثالی تھا۔ یوں تو سیدہ نشاط النساء بیگم کی شخصیت و سیرت کے بارے میں مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد، شورش کاشمیری اور خواجہ حسن نظامی، سید سلیمان ندوی، حکیم محمد سعید، عارف سہوی اور دیگر اصحاب کی تحریریں مل جاتی ہیں لیکن خود حسرت موہانی کا ایک مضمون بہ عنوان بیگم حسرت موہانی۔۔۔ اور مولانا حسرت موہانی کا خاندانی شجرہ (بیگم حسرت کی وفات پر مولانا حسرت کا لکھا ہوا مضمون) ہے جس میں انھوں نے اپنے اور بیگم کے شجرہ نسب بیگم کا سلسلہ علالت اور صفاتِ عالیہ بیان کی ہیں۔ وہ ۱۸ پریل ۱۹۳۷ء کو فوت ہوئیں حسرت نے ان کے لیے کئی غزلیں کہیں۔ ایک یوں ہے۔

تیر ناز آئے تو ان کو آزمانے کے لیے
پیش کرتے ہیں دل اپنا ہم نشانے کے لیے

میں بھی خوش میرا خدا بھی خوش ہے تیرے درد سے
درد گو وجہ مصیبت ہے زمانے کے لیے

چھیڑ اگر منظور ہے ان کو تو باوصف حجاب
پھر وہ دیکھیں گے مجھے پھر مسکرانے کے لیے

چھوڑ کر وہ چل نہ دیں آخر زراہ انتقام
مجھ کو تنہا رات دن آنسو بہانے کے لیے

وہ کہیں پوچھے تو حسرت کس پہ مرتے ہو کہ ہم
نام تک تیار ہیں اس کا بتانے کے لیے[7]

بیگم کی موت کا حسرت پر گہرا اثر ہوا اور انھوں نے اس دلی صدمے سے طبیعت میں بہت گرانی محسوس کی۔ شاعری ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ اردوئے معلیٰ کے پرچے بھی التواء اور ناتمامی کا شکار ہوئے۔ شفقت کاظمی کے نام یکم جولائی ۱۹۳۸ء کے اس خط میں بیگم حسرت کی وفات کے بعد حسرت کے معمولات پر روشنی پڑتی ہے۔

"بیگم حسرت کے انتقال پر ملال نے میری طبیعت پر اس درجہ اثر کیا کہ شعر و شاعری سے گویا کسی قسم کا رابطہ ہی نہیں رہ گیا۔ ڈیڑھ سال کے عرصے میں صرف پانچ شعر کہے ہیں اور وہ بھی ترک شاعری کے اعلان کے متعلق ہیں۔ اردوئے معلیٰ میں یہ غزل موجود ہے۔ آرزو کی زندگی

دشوار ہے تیرے بغیر۔ اردوئے معلیٰ کی اشاعت بھی ملتوی تھی۔ آخر کار بہ مشکل تمام آج تک دو پرچے ناتمام نکل سکے۔[8]

جس غزل کے مطلع کا مصرع ثانی حسرت نے اس خط میں پیش کیا ہے۔ دختر حسرت نعیمہ بیگم نے اپنے مضمون "حسرت کی کہانی نعیمہ کی زبانی" میں اس غزل کا مکمل متن پیش کیا ہے جو یوں ہے:

عاشقی کو حوصلہ درکار ہے تیرے بغیر
آرزو کی زندگی بے کار ہے تیرے بغیر

کاروبار شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں
دل بہ ذوق شاعری اک بار ہے تیرے بغیر

شرکت بزم سخن سے بھی ہمیں، باوصف عزم
بربنائے بے دلی انکار ہے تیرے بغیر

جس فراغت کا تمنائی تھا میں تیرے لیے
اب وہ حاصل ہے تو اک آزار ہے تیرے بغیر

دردِ دل جو تھا کبھی وجہ مباہات و شرف
بہر حسرت موجب صد عار ہے تیرے بغیر[9]

حسرت کے خطوط مشاہدات زنداں اور بیگم کی وفات پر لکھے گئے مضمون میں بیگم سے ان کی محبت، انس اور وفا کا پتا چلتا ہے۔

"چار سال تک متواتر بی بی اور رضوان کے ہمراہ سفر کرنے کی وجہ سے اس سال تنہائی حد درجہ شاق گزر رہی ہے۔ بات بات میں اور قدم قدم پر سال ہائے گزشتہ کی باتیں یاد آتی ہیں اور ہجوم غم سے دل کا عجب حال ہو جایا کرتا ہے۔ اس درمیان میں عجب بات ہوئی کہ باوجود ہر وقت خیال میں رہنے کے ۸ اپریل سے ۱۱ مئی تک بی بی ہم کو خواب میں نظر نہ آئیں چنانچہ اسی دن یعنی ۱۱ مئی کو ہم نے جو غزل کہی اس کے مطلع میں بھی اسی کا اشارہ موجود ہے

وجہ کیا خواب میں نہ آنے کی — شرم انھیں ہو نہ روٹھ جانے کی
رشک باقی ہے اب نہ کوئی رقیب — نہ ضرورت کسی بہانے کی
غیر ممکن ہے تیرے بعد ہوس — دل کسی اور سے لگانے کی[10]

یہ آٹھ اشعار پر مبنی غزل ہے اس خط میں ایک اور غزل پانچ اشعار کی ہے۔

راقمہ نے اس خط کا متن پروفیسر ڈاکٹر حسن محمد خان کے مضمون "حسرت خطوط کے آئینے میں "مشمولہ مولانا حسرت موہانی۔ ایک ہمہ جہت شخصیت سے لیا۔ اس خط کی موجودگی سے پتا چلتا ہے کہ حسرت کے اور بھی بہت سے خط تھے لیکن اب موجود نہیں۔، مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ خط وکتابت کے شواہد ملتے ہیں لیکن حسرت کے لکھے گئے خطوط موجود نہیں البتہ محمد علی جوہر کا ایک طویل خط ملتا ہے۔ مذکورہ بالا خط نشان دہی کرتا ہے کہ اردوئے معلیٰ میں حسرت کے بہت سے خطوط شایع ہوئے ہوں گے جنھیں یک جا کر کے منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

حسرت شناسی میں بیگم حسرت موہانی کی حیات، جدوجہد اور خطوط کی بہت اہمیت ہے اور اس اہمیت کے پیش نظر عتیق صدیقی کی مرتبہ بیگم حسرت موہانی اور ان کے خطوط (انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۸۱ء) اور نشاط النساء بیگم حسرت موہانی، حسرت موہانی میموریل ٹرسٹ منظر عام پر آئیں۔ اس کے علاوہ جس نے بھی حسرت کی سیاسی زندگی پر قلم اٹھایا وہ نشاط النساء بیگم کے کردار کو بھلا نہ پایا۔ اس ضمن میں یہ طویل اقتباس از مشاہدات زنداں ملاحظہ ہو۔

"گرفتاری کے وقت راقم حروف (حسرت) کی شیر خوار لڑکی نعیمہ حد درجہ علیل تھی اور اتفاق سے مکان پر والدہ نعیمہ اور ایک خادمہ کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا لیکن ان کی ذات سے اس نازک وقت میں بربنائے سیادت و تائید ربانی حیرت انگیز حوصلہ و استقلال کا اظہار ہوا۔ خود پریشان ہو کر راقم کو بھی مغموم کرنے کے بجائے انھوں نے دوسرے ہی دن بذریعہ سپرٹنڈنٹ جیل ایک ایسا ہمت افزا خط بھیجا جسے دیکھ کر جملہ کارپردازان زنداں متحیر رہ گئے۔ راقم کا دل بہ فضلہ امر حق کی پیروی کے باعث یوں ہی قوی تھا لیکن ان کی یہ تحریر کہ "تم پر جو افتاد پڑی ہے اسے مردانہ وار برداشت کرو۔ میرا یا گھر کا مطلق خیال نہ کرنا۔ خبردار تم سے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ ہو" تقویت مزید کا باعث ہوئی۔[11]

بیگم حسرت نے اپنے بھائی کو تار دے کر بلوا لیا اور ان کے ہمراہ حسرت سے ملنے جیل جاتیں جب تک مقدمہ چلتا رہا۔ ہر ہفتے ملاقات کے لیے جاتیں۔ جن اخباروں کی ضرورت ہوتی وہ پہنچاتیں۔ حسرت نے ایک مقام پر یوں بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔

"خدا گواہ ہے کہ راقم کے اس قول میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ ایثار وانکسار، حیاء وغیرت، محبت و مروت، فہم و فراست، جرات و صداقت، عزم و ہمت، وفا وسخا، حسنِ عقیدہ، صدق نیت، خلوص عبادت، حسن خلق، صحت مذاق، پاکی وصبر و استقلال اور سب سے بڑھ کر عشق رسول ﷺ اور محبت حضرات حق کے لحاظ سے شاید مسلمان عورتوں بلکہ مردوں میں بھی آج ہندوستان میں کم ایسے افراد ہوں گے۔[12]

مولانا محمد علی جوہر نے حسرت کے نام ایک خط میں بیگم حسرت کو "کوہ عزم وثبات" کہا۔

حسرت نے پہلا حج ۱۹۳۱ء میں تنہا کیا اس کے بعد ہر سال وہ اپنی بیگم اور نواسی یا نواسے میں سے کسی کے ساتھ حج کے لیے جاتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں بیگم کی علالت کی وجہ سے حج نہ کر سکے مگر بیگم کی وفات کے بعد ۳ مئی ۱۹۳۷ء کو عمرہ کی ادائیگی کے لیے گئے اور پھر بیٹی نعیمہ کو جو خط لکھا وہ اس رفاقت کی یاد کے سلسلے میں نہایت اہم ہے۔ یہ ۱۳ مئی ۱۹۳۷ء کا خط ہے۔

نشاط النساء بیگم کا کردار حسرت کی خطوط نویسی کے ضمن میں بہت اہم ہے کہ حسرت نے بہ قیدِ فرنگ دیگر افراد تک پیغامات پہنچانے کے لیے بھی اہلیہ کو خطوط لکھے۔ تعداد میں محدود ان تمام خطوط میں حسرت کے پیغامات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان پیغامات سے حسرت کے دیگر شخصیات کے ساتھ تعلقات اور معاملات کے بارے میں پتا چلتا ہے۔

للت پور جیل سے ۹ مئی ۱۹۱۶ء کو لکھا:

"تم خواجہ مجید صاحب کے پاس یہ خط بھیج دینا اور کہہ دینا کہ اگرچہ مجھ کو اپنے مقدمے میں بحث وغیرہ کے لیے کسی وکیل کی ضرورت نہیں لیکن بہت سی باتیں ایسی پیش آتی ہیں جن میں ایک قانون دان کی مدد کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ بس جہاں کہیں مقدمہ ہو وہاں آپ ایک روز کے لیے آیئے یا کسی اور کو بھیج دیجیے۔ بے شک میں فیس ادا کروں گا ۔ مقامی وکیلوں میں سے کسی مدد کی امید نہیں رکھتا۔ اس لیے آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ کم سے کم ایک وکیل یا بیرسٹر میری مدد کے لیے ہونا چاہیے۔[13]

۱۳ مئی ۱۹۱۶ء کے خط میں مذکور پیغام کو درج بالا پیغام کی توسیع ہی سمجھنا چاہیے جو یوں ہے۔

"یہ خط خواجہ مجید کو پہنچا دینا کہ اگر چاہیں تو ساڑھے بارہ بجے کی گاڑی میں روانہ ہو کر براہ متھرا فاسٹ پسنجر میں یہاں ۸ بجے دن کے پہنچ سکتے ہیں۔ اگر نہ آئیں تو خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ میں خود ہی پیروی کر لوں گا۔[14]

ان پیغامات سے اس امر کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے کہ ہر ایک کو فرداً فرداً خط لکھنے کی بجائے جو خط بیگم حسرت کے نام ہوتا اسی میں کسی نہ کسی کے لیے پیغام اور خانگی معاملات کے لیے ہدایات وغیرہ درج ہوتیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد سے حسرت کا تعلق خاطر رہا۔ ان کے لیے ایک پیغام ۱۳ جولائی ۱۹۱۶ء کے ایک خط میں یوں ہے:

"آزاد صاحب کو لکھ دینا کہ اگر وہ کسی بیرسٹر کو بھیجیں تو اسے ہدایت کر دیں کہ قبل مقدمہ وہ مجھ سے جیل میں آکر ضرور مل لے تاکہ میں اسے تمام امور سمجھا دوں، ورنہ اس کا آنا بے کار ہو گا۔[15]

حسرت موہانی کا قول تھا کہ عزت سے کمائی گئی سوکھی روٹی کے دو نوالے بے عزتی سے حاصل کی گئی مرغن غذاؤں سے بہتر ہیں۔ چونکہ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں تھا۔ آزادی کی جستجو میں جب اردوئے معلیٰ بند ہوا تو حسرت نے جھکنے کی بجائے سودیشی سٹور کھول لیا کہ جس پر شبلی نعمانی نے کہا "تم آدمی ہو یا جن؟ پہلے شاعر تھے، پھر سیاست دان بنے، اب بنئے بنے ہوئے ہو۔ اور اکبر الہ آبادی نے یہ کہہ ڈالا:

بھائی صاحب رکھ دو تم اپنا قلم
ہاتھ میں لو اب تجارت کا علم[16]

لیکن حسرت کی طبعیت تو اک طرفہ تماشا تھی۔ دراصل حسرت سودیشی تحریک کے زبردست حامیوں میں سے تھے اور انھوں نے آخری وقت تک کبھی کوئی ولایتی چیز استعمال نہیں کی تھی۔ سودیشی سٹور بھی اسی لیے شروع کیا کہ اس میں ہندوستان میں بنائی گئی ضروریات اشیا کاغذ، کپڑا وغیرہ بیچا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سودیشی تحریک کانگرس نے شروع کی تھی جبکہ یہ حقیقت ہے کہ مولانا حسرت موہانی سودیشی تحریک کے بانی تھے۔ انھوں نے اردوئے معلیٰ کے ایک نوٹ میں واضح کر دیا تھا کہ وہ سامراج کے خلاف تحریری، تقریری اور ہر قسم کی عملی کارروائی کریں گے، سب سے پہلے حسرت نے علی گڑھ کے محلہ رسل گنج میں ایک سودیشی سٹور کی بنیاد ڈالی جس کا نام موہانی سودیشی سٹور رکھا تھا۔ موہانی سودیشی سٹور مولانا حسرت کے لیے محض ایک ذریعہ

روز گار ہی نہیں تھا بلکہ حقیقی معنوں میں یہ ایسی قومی تحریک تھی جس کی بنا اور قیادت کی ذمہ داری صرف اور صرف حسرت پر تھی۔ یہ چھوٹا سا سٹور، قوم کی سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ اس کی معاشی آزادی کا ایک خواب بھی تھا۔[17]

۱۹۱۶ء میں مولانا کی گرفتاری اور اڑھائی سال تک مسلسل قید کے باعث یہ سٹور جاری نہ رہ سکا۔ ۱۹۲۰ء میں کان پور میں خلافت سودیشی اسٹور لمیٹڈ قائم کیا گیا۔ قیام علی گڑھ کو بھی انھوں نے سودیشی تحریک کی کامیابی کے لیے ہی ترک کیا تھا۔

۱۹۱۶ء (دوسری گرفتاری) اور ۱۹۲۲ء (آخری گرفتاری) میں انھیں سودیشی اسٹور کی بہت فکر رہتی تھی۔ اسٹور کا مال نمائش میں کیسے پہنچانا ہے کیا کیا کچھ کرنا ہو گا تمام ہدایات بیگم حسرت کے نام خطوط میں ملتی ہیں۔

> "نمائش سے مال واپس لانے میں بھی محصول نہیں دینا پڑتا اس کی صورت یہ ہے کہ دکان سے نمائشی مال لے جاتے وقت دفتر چنگی میں اطلاع کر دینا چاہیے کہ ہم اتنا مال جو اس قیمت کا ہے نمائش میں لیے جاتے ہیں بعد نمائش پھر واپس لائیں گے۔ اس پر وہاں سے ایک رسید مل جاتی ہے جس کے دو حصے ہوتے ہیں"[18]۔

> "نمائش کے حالات روزانہ لکھنا اور اشہتار مطبوعہ کالج کے ہر کمرے میں تقسیم کرا دینا اور نمائش میں بھی سب خیموں میں تقسیم کرا دینا۔۔۔ دیوان حسرت وغیرہ طالب علموں کو اب نصف قیمت پر نہیں دیے جا سکتے۔ البتہ مع دوم ۴ اور مکمل ۱۰ آنے میں اگر دے دو تو کچھ حرج نہیں ہے"[19]

اپریل ۱۹۲۲ء میں جب مولانا تیسری اور آخری بار قید ہوئے تو اس وقت بھی انھیں اسٹور کی فکر بہت زیادہ تھی وہ بیگم کو خطوط میں مسلسل ہدایات بھیجتے رہے۔ نشاط النساء بیگم کے عبدالباری فرنگی محلی کے نام خط سے اس بات کا پتا چلتا ہے۔

> "خلافت اسٹور کی جنرل میٹنگ ۵ فروری کو ہو گی۔ مولانا نے حکیم صاحب (حکیم اجمل خان) ہدایت حسین صاحب بیرسٹر (سابق صدر آل انڈیا مسلم لیگ) اور محمد اصغر صاحب ڈائریکٹر خلافت اسٹور کو شروع جنوری میں تار روانہ کیے تھے کہ کسی طرح اسٹور نہ ٹوٹنے پائے۔ میں نے تاکیدی خطوط سب کو لکھے ہیں۔ نتیجہ خدا کو معلوم "۔[20]

مولانا حسرت کو مسلسل مطالعے کی عادت تھی اور یہ عادت قید میں بھی ان سے نہ چھوٹی۔ پہلی قید میں تو خیر بہت سی پابندیوں کا سامنا تھا اور وہ تمام تجربے اور مشاہدے "مشاہدات زنداں" کی صورت میں سامنے آئے۔ دوسری بار قید ہوئے تو تذکرۃ الشعرا اور تیسری بار میں "نکات سخن" کی صورت میں ادبی دنیا سے رشتہ جوڑے رکھا۔

ایک ایک خط میں معلومات و ہدایات کا خزانہ موجود ہے۔ کتب، اخبارات اور رسائل کی فراہمی کے لیے بیگم کو خطوط لکھتے اور زیادہ اخبارات جمع ہو جانے پر بوری میں بند کر کے واپس بھی بھجواتے تھے۔ لکھتے ہیں:

"کئی روز سے اخبار لیڈر نہیں آیا۔ معلوم نہیں کیا سبب ہوا۔ ۸ فروری تک لیڈر ملا اس کے بعد ۹، ۱۰، ۱۱ فروری کا لیڈر نہیں ملا۔ تم مینیجر صاحب لیڈر کو لکھو کہ اخبار ۸ فروری کے بعد کیوں نہیں روانہ کیا، کہ ۸ فروری کے بعد سے اس وقت تک جتنے پرچے نہ بھیجے ہوں، وہ سب فوراً بھیجیں اور آئندہ برابر حسب معمول روانہ کیا کریں۔ پتہ انھوں نے فیض آباد کا تبدیل کر دیا تھا۔ احتیاطاً پھر لکھ دینا۔ رسالہ "الناظر" جنوری اور فروری کا کیوں نہیں آیا۔ جنوری کا بہت روز ہوئے کہ شائع ہو گیا ہے۔ اب فروری کا بھی نکل گیا ہو گا۔ دریافت کر کے بھجواؤ۔۔۔ ستارہ صبح کا بھی آٹھویں نمبر کے بعد پھر کوئی پرچہ نہیں آیا۔ دریافت کرنا۔ اگر برابر ہفتہ وار آیا کرے تو اچھا ہے۔ [21]

جیسے پہلی قید میں خط لکھنے پر پابندی تھی دوسری بار قید میں یہ پابندی نہ تھی۔ پہلی بار کے حالات مشاہدات زنداں جب کہ دوسری بار کے حالات خطوط سے مترشح ہوتے ہیں مثلاً۔

"یہاں بھی حسب دستور کھانا مجھ کو خالص ملتا ہے یعنی دودھ شکر کے علاوہ دونوں وقت گیہوں کی روٹی اور ترکاری گھی میں پکی ہوئی۔ غرض کہ ہر طرح سے آرام ہے۔ اطمینان رکھو۔ کتابیں اور اخبار بھی حسب معمول بستر وغیرہ بھی اور سامان ضروری مثلاً لوٹا پیالہ وغیرہ سب میں اپنے پاس رکھتا ہوں" [22]

حسرت کے خطوط ان کی سیاسی جدوجہد، خانگی امور و معاملات، کاروباری معاملات وغیرہ پر تو روشنی ڈالتے ہی ہیں ایک بہت اہم پہلو حسرت کی شخصیت کی پہلوداری کو واضح کرتا ہے۔ وہ نڈر اور بے باک تھے، پر اعتماد تھے، راست گو، بااصول اور تہذیب یافتہ تھے، مذہبی شعار کے پابند تھے۔ ان سب کے علاوہ ان کی شخصیت کا ایک پہلو کہ وہ رجائیت پسند تھے۔ ان کی شاعری میں تو اس کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ وہ یاس اور ناامیدی کو قریب پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔ ان کے مکاتیب

میں جہاں جہاں ان کی رہائی، ضمانت اور مقدمے کی پیروی کی بات سامنے آتی ہے اور بیگم کو حوصلہ دینے کی ضرورت ہوتی وہاں امید افزا جملے نظر آتے ہیں۔

"ان شاء اللہ مجھ کو کامیابی ہو گی"[23]

سب باتیں اور اعتراض وغیرہ سوچ لیے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ مجھے کامیابی ہو گی۔[24]

جس موقع پر بھی انھوں نے کاروباری معاملات کی بات کی ہے اختتام یوں ہی کیا ہے کہ میں رہائی کے بعد ان شاء اللہ تمام معاملات سنبھال لوں گا۔ وغیرہ۔

اس رجائیت کا گہرا تعلق ان کے اعتماد سے تھا کہ وہ نظر بندی کے لیے شرائط کا تعین بھی خود ہی کرتے اور گورنمنٹ کو لکھتے۔

حسرت سے پہلے اردو مکتوب نویسی میں غالب کی مثال موجود ہے جو آج بھی زندہ جاوید ہے۔ حسرت کے ہم عصر علامہ محمد اقبال کے خطوط علمی و ادبی و نجی معاملات کے حوالے سے بہت اہم ہیں اور تعداد میں اتنے کہ بارہ سو سے زاید خطوط کلیات کی صورت میں چار جلدوں میں موجود و محفوظ ہیں۔ حسرت کے خطوط اردو میں کسی نئی روش کو متعارف نہیں کراتے لیکن حسرت کی جس سیاسی تگ و دو کو نظر انداز کر کے ان کے سیاسی کردار کو سامنے نہیں آنے دیا جاتا اس کی نشان دہی کرتے ہیں اور یہی سب سے اہم پہلو ہے کہ ان کی ذات، سیاست اور خانگی معاملات کے حوالے سے یہ خطوط بہترین حوالہ ہیں۔ بہ ہر حال ان کی جمع آوری اور تدوین کی ذمہ داری سے عہدہ بر آ ہونا ابھی باقی ہے۔

حوالہ جات

1۔ سید اصغر کاظمی (مرتب) مولانا حسرت موہانی، ایک ہمہ جہت شخصیت، حسرت موہانی میموریل لائبریری اینڈ ہال ٹرسٹ، کراچی۔ ۲۰۰۴ء، ص ۱۴

2۔ ڈاکٹر خلیق انجم، مولانا حسرت موہانی دانش وروں کی نظر میں، حسرت موہانی میموریل لائبریری اینڈ ہال ٹرسٹ، کراچی۔

3۔ احمد سلیم، حسرت کی سیاست، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۲٦۵

4۔ ایضاً، ص۲٦٦

5۔ ایضا، ص۲٦۸

6۔ ایضا، ص۲٦۹

7۔ سید محمد اصغر کاظمی، نشاط النساء بیگم حسرت موہانی، حسرت موہانی میموریل لائبریری اینڈ ہال ٹرسٹ، کراچی۔

8۔ حسرت موہانی، نقوش خطوط نمبر، ص ۴۴

9۔ سید اصغر کاظمی (مرتب) مولانا حسرت موہانی، ایک ہمہ جہت شخصیت، حسرت موہانی میموریل لائبریری اینڈ ہال ٹرسٹ، کراچی۔ ۲۰۰۴ء، ص27

10۔ ڈاکٹر محمد حسن، مولانا حسرت موہانی ایک ہمہ جہت شخصیت، ص ۱۲۲، ۱۲۳

11۔ حسرت موہانی، مشاہدات زنداں، حسرت موہانی میموریل لائبریری اینڈ ہال ٹرسٹ، کراچی، ص ۱۴۔

12۔ حسرت موہانی، اردوئے معلیٰ، جنوری ۱۹۱۰ء۔

13۔ احمد سلیم، حسرت کی سیاست، ص ۲٦۵

14۔ ایضاً، ص۲٦۸

15۔ ایضاً، ص۲٦۹

16۔ سید اصغر کاظمی (مرتب) مولانا حسرت موہانی، ایک ہمہ جہت شخصیت، ص26

17۔ احمد سلیم، حسرت کی سیاست، ص ۹۴

18۔ ایضاً، ص۲۶۱

19۔ ایضاً ،ص۹۴

20۔ ایضاً، ص۹۶

21۔ ایضاً، ص۲۶۲

22۔ ایضاً ،ص۲۶۰

23۔ ایضاً، ص۲۶۷

24۔ ایضاً۔